پہلا مَرثیہ عنوان **مَرثیہ**

مطلع : سَر بَسر اپنے بُزرگوں کا چلَن رکھتا ہوں

بند: ۶۹

تصنیف ۱۹۸۹

ہر آن ہر اک گاہ نظر آتا ہے
ہر راہ پہ ہم‌راہ نظر آتا ہے
واللہ کہ جس شے پہ ٹھہرتی ہے نگاہ
اللہ ﷻ ہی اللہ ﷻ نظر آتا ہے

۱

سَر بَسر اپنے بزرگوں کا چَلَن رکھتا ہوں
مدِحَتِ آلِ پیمبر کی لگَن رکھتا ہوں
اک مہکتا ہوا شاداب چمَن رکھتا ہوں
پھول برساتا ہے ہر دم ، وہ دَہَن رکھتا ہوں
اِک نئی لعل و جواہر کی دکاں کھلتی ہے
اِک زباں بند ہوئی ، ایک زباں کھلتی ہے

۲

مرثیہ کہنے کی احباب نے ترغیب جو دی
چمنستانِ مودّت میں کھِلی اور کَلی
ذکرِ شبیرؑ کی حاصِل مجھے توفیق ہوئی
مرثیہ گویوں کی آواز سے آواز مِلی
آج کس راہِ سعادت کا نشاں پایا ہے
نطق نے حُسنِ حَسینانِ جہاں پایا ہے

۳

واہ کیا حُسن ہے ، اس حُسن پہ یوسفؑ بھی نثار
ہر طرف عالمِ اِمکاں میں پلٹ آئی بہار
لکھّے کیا خوب یہ اَشعارِ بَلاغت آثار
بڑھ گیا خود مِری نظروں میں مِرا اپنا وقار
خوش نوائی سے ہوا شہرِ سُخَن میں داخل
جیسے بلبل ہو کوئی صحنِ چمَن میں داخل

☆ والدِ بزرگ وار حضرت فیض بھرت پوری کے انتقال کے بعد میں نے یہ پہلا مرثیہ کہا۔

۴

دل ثناخوانِ شہنشاہِ زمن ہے میرا
مرثیہ جس سے ہے مانوس ، دہن ہے میرا
رشک ہے اہلِ زباں کو ، وہ سخن ہے میرا
جو نہیں زد پہ خزاں کی ، وہ چمن ہے میرا
نیّت اچھی ہو تو نیّت کے اثر بھی اچھے
سحر اچھی ہو تو آثارِ سحر بھی اچھے

۵

سب کو مرغوب ہے ، وہ طرزِ سُخَن رکھتا ہوں
اپنے افکار کو بے بِرّ و عَلَن رکھتا ہوں
دل میں مہرِ غمِ سرور کی کِرَن رکھتا ہوں
قلبِ روشن میں تمنائے حَسَن رکھتا ہوں
سر میں سودا ہے کہ ہوں مرثیہ خوانِ شبیرؑ
لوگ مجھ کو بھی کہیں مرتبہ دانِ شبیرؑ

۶

لب پہ لاتا ہوں سخن ، جوہرِ انساں مددے
پہلی کوشش ہے مِری ، وسعتِ امکاں مددے
کلِ ایماں مددے ، شاہِ شہیداں مددے
فکر تشنہ ہے ابھی ، صاحبِ دوراں مددے
میرے افکار کو آفاق کی پہنائی دے
میں بھی دیوانہ ہوں ؛ بہلول کی دانائی دے

۷

مرثیہ کہتا ہوں ، تاثیر عطا کر یا رب
ذہن تابندہ ہو ، تنویر عطا کر یا رب
ایک بے نام کو توقیر عطا کر یا رب
میرے الفاظ کو تصویر عطا کر یا رب
خشک کھیتی کو ملے آبِ سحابِ رحمت
چمنِ فکر میں کھِل جائے گلابِ رحمت

۸

مرثیہ سبطِ پیمبر کا رقم کرتا ہوں
ذہن کو مائلِ رودادِ الم کرتا ہوں
دشتِ افکار کو فردوس حشم کرتا ہوں
پئے مدحت ، پَرِ جبریل قلم کرتا ہوں
اس سے بہتر نہ قلم کا کوئی مصرف ہوگا
خامہ فرفر جو چلے گا یہی رفرف ہوگا

۹

اے مِری فکرِ رسا ، وسعتِ افلاک دکھا
عقل حیران ہو وہ تیزیِ ادراک دکھا
پیکرِ حرف کو پہنے نئی پوشاک دکھا
چشمِ حیرت نے نہ دیکھی ہوں وہ املاک دکھا
خواب بخشے ہیں تو پھر خوابوں کو تعبیر بھی دے
سربسر حسنِ سماعت ہو ، وہ تقریر بھی دے

۱۰

مدحِ ممدوحِ خدا ، فکر جو کرتی ہے بہم
ہیچ ہے دولتِ قارون و فرِ شوکتِ جم
ہاں یہی سوچ کے میں نے بھی اٹھایا ہے قلم
مجھ کو لے جائے گا منزل پہ مِرا پہلا قدم
نیّتِ نیک سے باندھا ہے جو احرام سخن
اسی آغازِ سخن سے ہے سر انجامِ سخن

۱۱

نکتہ ہر حرف میں ہے ، نقطے ہیں روشن سارے
ہوں شبِ تار میں چھٹکے ہوئے جیسے تارے
رفعتِ فکر کو پہنچیں گے کہاں سیّارے
بیتیں ایسی کہ لگیں نور کے بہتے دھارے
روشنی قلب میں ہے کاہکشاں کی صورت
سوزِ آواز میں ہے مرثیہ خواں کی صورت

۱۲ مطلعِ ثانی

کب جہاں میں ہوا آغازِ سخن کیا معلوم
کب کِھلے شعر کے دنیا میں چمن کیا معلوم
پہلا شاعر تھا کہاں ، کیا تھا وطن کیا معلوم
شاعری کب سے ہے ، باضابطہ فن کیا معلوم
کہاں سلجھائے گئے گیسوئے لیلائے سخن
کب برآمد ہوئی حُجرے سے زلیخائے سخن

۱۳

پہلے شاعر کے لیے بحث ہے ساری بے سود
اشعرِ ابنِ سَبا تھا کہ کوئی اور وجود
یہ سخن حضرتِ صائبؔ☆ کا مگر ہے موجود
شعر گوئی کی ہوئی حضرتِ آدمؑ سے نمود
نصرتِ حق سے جو مانوس مزاج اس کا ہے
مرگِ ہابیل سے دنیا میں رواج اس کا ہے

۱۴

ابنِ عبّاس کا اس باب میں فرمان ہے یہ
انبیا شاعری کرتے نہیں ، بہتان ہے یہ
یہ اگر سچ ہے تو پھر ایک ہی امکان ہے یہ
مرثیہ نثر میں لکھا گیا ، ایقان ہے یہ
نثری نظموں کو فراز اچھا یہ ہاتھ آیا ہے
اک پیمبر سے جواز اچھا یہ ہاتھ آیا ہے

۱۵

قتلِ ہابیل پہ جو مرثیہ آدمؑ نے کہا
شیثؑ کو یاد کرایا کہ ہو محفوظ سدا
پہنچا یعرب کو تو اس نے عربی میں ڈھالا
ترجمہ پہلا یہ سُریانی سے منظوم ہوا
پہلے مظلوم کے اوصاف کی تفسیر میں ہے
مرثیہ ظلم کے آغاز سے تحریر میں ہے

☆ ہر کہ اول شعر گفت آدمؑ صفی اللہ بود
طبعِ موزوں حجتِ فرزندیٔ آدمؑ بود صائبؔ

۱۶

رَوشِ شعر و سخن عہدِ فلاطوں میں تھی عام
عشقیہ شعروں کا ہر سمت تھا پھیلا ہوا دام
داد بھی دیتے تھے محظوظ بھی ہوتے تھے عوام
لیکن اصلاحِ بشر کا نہ تھا کوئی پیغام
مُبتذل فکر جو گُم راہی پہ آمادہ تھی
محفلِ شعر و سخن عیش کی دِل دادہ تھی

۱۷

شاعروں کی جو طبیعت میں تھا اَسفَل میلان
نظر آتا نہ تھا اصلاح کا کوئی امکان
پست جذبوں کے ابھرنے کا تھا سارا سامان
شاعری ذہنِ بشر کے لیے کب تھی ذی شان
پس فلاطون کی حکمت نے کیا رَد اس کو
اور ٹھہرا دیا انساں کے لیے بَد اس کو

۱۸

اس کے افکار سے شاعر جو ہوئے بہرہ مَند
شاعری کو کیا مانوسِ خیالاتِ بُلند
بڑھ کے پھینکی مہ و اختر پہ تخیّل کی کمَند
رزمیہ لکھ کے کیا اہلِ خرد نے خُورسَند
ایلیڈ اور اوڈیسی سے جو آغاز ہوا
اہلِ یونان سے ہومَر اثر انداز ہوا

۱۹

تیس چالیس صدی قبل تھا عیسیٰؑ سے یہ عام
اینیڈ لکھی جو ورجل نے بڑھا روم کا نام
اہل یورپ نے بھی اس صنف کو بخشا وہ مقام
رزمیہ نظم ہوئی جلد ہی مقبولِ عوام
ہند کی بھاشا بھی کچھ کم تو نہ خوش قامت تھی
رزمیہ نظم کی تصویر مہابھارت تھی

۲۰

جان ملٹن نے بھی اک جنتِ گم گشتہ[۱] لکھی
خوب شہرت ہوئی شہ نامۂ فردوسی کی
ڈانٹے نے بھی دیا روم کو اک نقشِ جلی
طربیہ تھا خداوندی[۲] تو عزت بھی ملی
جو مقدر بنی اس عہد کے فن کاروں کی
عظمت آج بھی دنیا میں ہے شہ پاروں کی

۲۱

حُزنیہ ، رزمیہ دونوں کو ملا حُسنِ قبول
آج تک باغِ سخن میں ہیں مہکتے ہوئے پھول
صرف موسیقی اور اسٹیج کا فرقِ معمول
ورنہ دنیا میں ہے دونوں ہی کی شہرت معقول
مرثیہ دونوں کے اوصاف کا گنجینہ ہے
عالمی نظموں کے معیار کا آئینہ ہے

Divine Commedy_۲ Paradise Lost_۱

۲۲

اور ارسطو کہ جدا رکھتا ہے جو اپنا مقام
جس کی تمثیلیں زمانہ پہ ہیں اک نقشِ دوام
حُزنیہ کا وہ شہنشاہ کہ ہے آج بھی نام
رزمیہ اس کی نظر میں بھی ہے اک ایسا کلام
جو اساطیری تمدّن کی محاکات لیے
مُصلحِ نوعِ بشر کی ہے روایات لیے

۲۳

پہلے تخلیق ہوئی فن کی ، مِلا حُسنِ قبول
پھر جو فن کاروں کو پرکھا تو کیئے وضع اصول
عقل کی آنکھ سے دیکھا تو بنائے معقول
چار سو سال تھے عیسیٰؑ سے یہ پہلے منقول
فن کی فن کار کی تسکینِ تجلّا کے لیے
یہی معیار بنے نظمِ معلّا کے لیے

۲۴

رزمیہ نظم جو اعلیٰ بھی ہو ، سنجیدہ بھی
فکر موزوں بھی ہو ، کردار پسندیدہ بھی
متنوع ہوں خیالات مگر چیدہ بھی
اور اُس عہد کے افکار ہوں بالیدہ بھی
حسنِ تکمیلِ عمل کی بھی ہو رفعت جس میں
ربط افکار کا ظاہر کرے وحدت جس میں

۲۵

حزنیہ ایک زمانے سے ہے نظمِ تمثیل
اس میں افکار کی ہوتی ہے عمل سے تشکیل
داستاں سیرتِ کردار کی موزوں تفصیل
وحدتِ فکر و عمل حسنِ مقاصد کی سبیل
فصلِ افکار ارسطو بھی یہیں بوتا ہے
یہیں استادِ سخن شیکسپیئر ہوتا ہے

۲۶

وہی ایپک☆ ، وہی جمہور کی نظمِ اعلا
فارسی میں وہ نظامی کا سکندر نامہ
شاہ نامہ بھی کہ شہ کار ہے فردوسی کا
پاس اردو کے ہے کیا ، یہ کوئی بتلائے ذرا
مرثیے سے بھی اگر صرفِ نظر ہو جائے
شبِ تاریک میں اندھے کا سفر ہو جائے

۲۷

ہیں عقیدے کے چراغوں سے منوّر در و بام
ہو عقیدہ میں اگر زور ، تو بن جاتا ہے کام
ہومرو ورجل و ملٹن کا بھی شاہد ہے کلام
ان گنت نسلوں کے انساں انھیں کرتے ہیں سلام
والمیک ، ڈانٹے ، فردوسی و تلسی جیسے
ان کی تخلیق عقیدوں کی ہو بستی جیسے

☆ Epic

۲۸

روم و یونان اساطیری تمدّن کے نقیب
سر بسر لکھتے رہے اپنی حکایاتِ عجیب
اہلِ یورپ میں رہی حد سے سوا فکرِ صلیب
فلسفے اور عقیدے کے مسیحی تھے ادیب
مرثیہ بھی یونہی اسلام کے آثار لیے
اپنے دامن میں ہے شبیرؑ کا کردار لیے

۲۹

جلوہ گر حسنِ عقیدت کی زباں ہے اس میں
ربط موضوع کا مصرعوں سے عیاں ہے اس میں
ایک دریائے معانی جو رواں ہے اس میں
صرف مذہب ہی نہیں، فکرِ جہاں ہے اس میں
ناقدوں اور ادیبوں کو تعجّب کیوں ہے
اس قدر صرفِ نظر، اتنا تعصّب کیوں ہے

۳۰

روکشِ شمس و قمر ہے تو تعجّب کیوں ہے
راحتِ رختِ سفر ہے تو تعجّب کیوں ہے
نخلِ ایماں کا ثمر ہے تو تعجّب کیوں ہے
مسلکِ اہلِ ہنر ہے تو تعجّب کیوں ہے
کشتیٔ ظلم کو اُس پار اترنے نہ دیا
مرنے والوں کو بھی اس نے کبھی مرنے نہ دیا

۳۱

مرثیہ مقصدِ اعلیٰ کا امیں ہے کہ نہیں
نظمِ سنجیدہ میں اک حسنِ متیں ہے کہ نہیں
اس کے موضوع میں خاتم کا نگیں ہے کہ نہیں
اس کا اسلوب بھی اعلیٰ و حسیں ہے کہ نہیں
لذّتِ ذکر بھی ہے ، زورِ مناقب بھی ہے
وحدتِ فکر بھی ہے ، بحرِ مناسب بھی ہے

۳۲

مذہبی نظم اگر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
لایقِ فکر و نظر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
یہ اگر رنگِ دگر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
اس سے امکانِ سحر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
اپنے مذکور سے توفیق یہ پائی اس نے
ظلم کی توڑ دی پنجہ سے کلائی اس نے

۳۳

وہ گُلِ تر ہے کہ بو اس کی جدا ، رنگ جدا
محورِ فکر جدا ، بزم جدا ، جنگ جدا
ساری اصنافِ سخن سے ہے یہ آہنگ جدا
مرثیہ کرتا ہے جنسِ گہر و سنگ جدا
خیر اور شر کے مشاغل کی حدِ فاصل ہے
مرثیہ ناشرِ تفریقِ حق و باطل ہے

۳۴

لفظ مربوط ہیں تسبیح کے دانوں کی طرح
متنِ تاریخ ہے ، منظوم فسانوں کی طرح
نظم اس نظم میں ہے آئینہ خانوں کی طرح
دعوتِ خیر عمل بھی ہے اذانوں کی طرح
حسنِ اقدار بھی ہے ، عظمتِ افکار بھی ہے
مرثیہ سارے مسائل سے خبردار بھی ہے

۳۵

شاہدِ نصرتِ مظلوم ہے سب زورِ کلام
حق و انصاف کی کرتا ہے حمایت بھی مدام
اعلیٰ اقدار کی تقلید کا دیتا ہے پیام
یہی ہر عہدِ سخن میں ہے زمانے کا امام
حق کو باطل سے جو ہر گام جدا کرتا ہے
یہ بھی اک نامِ خدا ، کارِ خدا کرتا ہے

۳۶

مرثیہ کو ملے ممدوح وہ عالی درجات
ذکر نے جن کے زمانہ کو دیا آبِ حیات
جن کا ہر قول و عمل ، راہ برِ راہِ نجات
جیسے قرآن میں سجدہ کی ہیں محکم آیات
مدح خالق بھی کرے جن کی ، وہ انسان ہیں یہ
آیتیں چپ ہیں کہ خود بولتے قرآن ہیں یہ

۳۷

صاحبِ ختمِ رسل ، مصدرِ آثارِ درود
ساقیِ روزِ جزا ، مطلعِ انوارِ درود
فاطمہؑ صلِ علیٰ ، حاصلِ اسرارِ درود
دونوں سردارِ جناں ، حاصلِ پندارِ درود
انبیاء ہی نہیں کچھ فکر میں شامل ان کے
ذاتِ واجب بھی ہے موضوع میں داخل ان کے

۳۸

رفعتیں جس سے ہیں مانوس ، وہ نام ان کا ہے
نام سے جو متجلی ہے ، مقام ان کا ہے
جس میں حق ہو متکلم ، وہ کلام ان کا ہے
سب کو مشکل سے چھڑاتے ہیں یہ کام ان کا ہے
بند گر بابِ دعا بھی ہو تو وا ہو جائے
خوف تو نام کو لیتے ہی ہوا ہو جائے

۳۹

نامِ نامی ہے علیؑ ، کام ہے نصرت دیں کی
ان کے گھر میں روشِ عام ہے نصرت دیں کی
حشر تک بس سحر و شام ہے نصرت دیں کی
کام کیسا کہ علیؑ نام ہے نصرت دیں کی
نام ہی فتح کی صورت ہے ، یہ غازی ایسا
سلطنت بخشے سلیماں کی ، نمازی ایسا

۴۰

قاتلِ مرحب و عنتر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
فاتحِ خندق و خیبر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
تنِ تنہا بھی جو لشکر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
نام جس شیر کا حیدر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
نیند آتی نہیں اس کو کبھی گُل زاروں میں
بے خطر چین سے سو جاتا ہے تلواروں میں

۴۱

کفر کو جس نے مٹایا ، وہ بہادر ہے یہی
دین کو جس نے بچایا ، وہ بہادر ہے یہی
کام اسلام کے آیا ، وہ بہادر ہے یہی
اپنے خوں میں جو نہایا ؛ وہ بہادر ہے یہی
چیر دے کلۂ اژدر کو ، یہ شیر ایسا ہے
اپنے قاتل کو جگاتا ہے ، دلیر ایسا ہے

۴۲

مرثیہ گوئی کی تاریخ میں آئے ہیں وہ نام
جن کی نسبت سے ہوئی ہے یہ زمیں عرش مقام
نسل در نسل بڑھا ہے یہ محبت کا پیام
ہے زمانے کو میسّر ابوطالبؑ کا کلام
حسبِ دستور اسے جدِ نبیؐ نے بھی کہا
مرثیہ فاطمہ زہراؑ کا علیؑ نے بھی کہا

۴۳

ان کے گھر میں جو رہا مرثیہ مثلِ اسلام
حشر تک مٹ نہیں سکتا ہے وہ پایا ہے مقام
فاطمہؑ بنتِ محمدؐ کہ تھیں وقفِ آلام
مرثیہ کہہ کے دیا مرثیہ گوئی کو دوام
غم میں بابا کے جو بیٹی نے رکھا دل اس میں
سیرتِ فاطمہؑ زہرا ہوئی شامل اس میں

۴۴

نطقِ معصوم جو پایا تو سرافراز ہوا
ساری اصنافِ سخن پر اثر انداز ہوا
سخنِ حق کی طرح صاحبِ اعزاز ہوا
حق شناسا تھا تو مظلوم کا دم ساز ہوا
ظلم کے سامنے یہ سینہ سپر آج بھی ہے
مرثیہ مظہرِ تہذیبِ بشر آج بھی ہے

۴۵

لفظ تابندہ ہیں خاتم میں نگینوں کی طرح
موجِ اندازِ بیاں بہتے سفینوں کی طرح
آب چہرہ میں ہے، سودا کی زمینوں کی طرح
جلوہ افروزِ ادب صدر نشینوں کی طرح
میر کا سوزِ دروں، ذوقِ عمل کی صورت
بانک پن حضرتِ غالب کی غزل کی صورت

۴۶

حمدِ معبود کرے نعتِ نبیؐ فرمائے
مثنوی نظمِ مسلسل کا سلیقہ پائے
وہ تغزّل کہ غزل اس کے ہی بس گن گائے
رہی واسوخت تو جل جائے، جو نزدیک آئے
ساری اصناف کے اوصاف کا جوہر یہ ہے
آبرو آبِ سخن کی ہے، وہ گوہر یہ ہے

۴۷

کی قصیدہ کو عطا مدح سرائی اس نے
ہجو کو دی ہے عجب تلخ نوائی اس نے
پائی ہر صنفِ سخن تک جو رسائی اس نے
خشک بحروں کو بھی بخشی ہے ترائی اس نے
اک زمانے سے مسلّم ہے بڑائی اس کی
ساری اصنافِ سخن پر ہے، خدائی اس کی

۴۸

برمحل بات مناسب لب و لہجہ کا قوام
خوش دہن، خوش سخن و خوش زمن و خوش انجام
نہ تنافر ہو نہ تعقید، نہ کوئی ابہام
مرثیہ حسنِ بیاں، حسنِ زباں، حسنِ کلام
حسن ہی حسن ہو الفاظ میں پنہاں جیسے
فکر کی چاہ میں ہو یوسفِ کنعاں جیسے

۴۹

مرثیہ اوج پہ آیا تو بڑھی شانِ ادب
جگمگانے لگا اس نظم سے ایوانِ ادب
اب سبک رہ نہ سکا پلۂ میزانِ ادب
غرقِ حیرت ہوئے سب سلسلہ جنبانِ ادب
بہتادریا ہے کہ شاعر کی زباں ہے گویا
مرثیہ ہے کہ اک آوازِ اذاں ہے گویا

۵۰

مرثیہ خاصۂ خاصانِ ادب ہے کہ نہیں
رونقِ مجلسِ پاکانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ مفتیٔ ایمانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ خالقِ قرآن ادب ہے کہ نہیں
خالقِ کل کے لیے حمد و ثنا کرتا ہے
فرض ہے ، حقِ مودّت تو ادا کرتا ہے

۵۱

مرثیہ شمعِ شبستانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ مشعلِ ایوانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ ماہِ درخشانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ نیرِ تابانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ سے ہوا ظاہر جو کمالِ اردو
چمن افروز ہوا نخلِ نہالِ اردو

۵۲

مرثیہ وسعتِ امکانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ واضعِ میزانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ اُنسِ اَنیسانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ شانِ ادب ، جانِ ادب ہے کہ نہیں
عالمی نظموں سے اونچا جو عَلَم رکھا ہے
اس نے اردو کا زمانہ میں بھَرَم رکھا ہے

۵۳

مرثیہ رشکِ دبستانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ حسنِ فراوانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ یوسفِ کنعانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ فکرِ حسینانِ ادب ہے کہ نہیں
لے گئی اوجِ ثریا پہ اسے فکرِ انیسؔ
مرثیہ کا ہے جہاں ذکر ، وہاں ذکرِ انیسؔ

۵۴

اب بھی اورنگِ سخن زیرِ نگیں ہے ، وہ انیسؔ
ہر سخن ور سے سخن جس کا حسیں ہے ، وہ انیسؔ
جس کا ثانی کوئی عالم میں نہیں ہے ، وہ انیسؔ
برسرِ فرش سخن ، عرش نشیں ہے ، وہ انیسؔ
وادیٔ شعر میں کیا راہ نمائی کی ہے
ایک اللہ کے بندے نے خدائی کی ہے

۵۵

وہ مفکر کہ جدا سب سے ہے جس کی تفکیر
وہ مدبر کہ تدبر سے بدل دے تقدیر
وہ مفسر کہ ہر اک لفظ ہے گویا تفسیر
وہ مصور کہ جو لفظوں میں دکھا دے تصویر
بزم آئینۂ فردوسِ بریں کی صورت
رزمِ غارت گریٔ دشمنِ دیں کی صورت

۵۶

وہ سخن ور کہ سخن جس کا ہے بے مثل وعَدیل
نہ کوئی اس کی نظیر اور نہ کوئی اس کا مثیل
تھا گراں جس کی طبیعت پہ سدا حَرفِ ثقیل
آبِ دریائے سخن عِلم کے پیاسوں کو سَبیل
افقِ نظم کے روشن مہ و اختر دیکھو
اس کے لفظوں میں جو پوشیدہ ہیں، جوہر دیکھو

۵۷

لب کی تشبیہ سے دے پھول کی پتی کو زباں
استعارہ لکھے قامت کا تو ہو سَرو رواں
حسنِ تعلیل سے ذروں پہ ہو تاروں کا گماں
جیسے محرابِ سخن میں کوئی دیتا ہو اذاں
آج تک تو نہ چمک مہر کے پَرتو سے گئی
اور نہ "اقلیمِ سخن اس کے قلمرَو" سے گئی

۵۸

شمع احساس کی اس طرح جلا دی اس نے
جیسے حائل تھی جو دیوار گرادی اس نے
صوت و آہنگ کی تصویر بنا دی اس نے
کربلا چشمِ سماعت سے دکھا دی اس نے
پردہ خیمے کا ابھی اس نے اٹھایا جیسے
صاف دنیا کو یہ منظر نظر آیا جیسے

۵۹

داخلِ خیمہ ہوئے رخصتِ آخر کو حسینؑ
بیبیاں اپنے شہیدوں کے لیے کرتی ہیں بین
کہا حضرت نے سکینہؑ سے مِری نور العین
باپ جاتا ہے ، مری جان نہ ہونا بے چین
کوئی صورت نہیں مرنا ہے یقینی بی بی
سخت ہوتا ہے بہت داغِ یتیمی بی بی

۶۰

عالمِ ہستی سے ہونا ہے جو ہر اک کا گزر
کوچ کرتا ہے کوئی شب میں کوئی وقتِ سحر
جو بھی پیدا ہوا اک دن اسے کرنا ہے سفر
یہ سفر وہ ہے نہیں جس سے کسی کو بھی مفر
سب ہی مارے گئے دو ہم کو بھی رخصت بی بی
تم ہو اب اور ہے اس دشت کی دہشت بی بی

٦١

دشتِ پُرحول میں دہشت کے سوا کیا ہوگا
رات آئے گی تو حشر اور بھی برپا ہوگا
خیمے جل جائیں گے ، ریتی پہ ٹھکانا ہوگا
سونا جنگل ہے ، قیامت کا اندھیرا ہوگا
ساتھ ماں بھی ہے ، پھوپھی بھی ہیں ، نہ گھبرانا تم
باپ کی لاش پہ مقتل میں چلی آنا تم

٦٢

غش میں عابد کو جو دیکھا تو کہا ہائے نصیب
نہ دوا ہے ، نہ غذا ہے ، کوئی چارہ ، نہ طبیب
سورۂ حمد پڑھا ، ہوش میں آیا وہ غریب
دے کے اَسرارِ امامت یہ کہا ہو کے قریب
اب کرو باپ کی فرقت بھی گوارا بیٹا
جز خدا کوئی نہیں اور سہارا بیٹا

٦٣

کہا بانو سے کہ ہم تم سے خجل ہیں صاحب
جو بھی ہونا تھا ، ہوا ، تھی یہی کچھ مرضیِٔ رب
پھول سے بچے کا خوں بات ہے تقدیر کی سب
باپ نے بیٹے کو خود دفن کیا ہائے غضب
جو بھی گزرے گا رہِ حق میں وہ سب سہنا ہے
ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا ہے

٦٤

دیکھو لیلیٰؑ کو گنوا بیٹھی ہیں اکبرؑ سا پسر
میرا عبّاسؑ سا بھائی بھی ہوا خون میں تر
قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ بھی کسی کے تھے جگر
کوکھ اور مانگ سے اجڑی ہیں یہ سب خاک بسر
لعل جو ہم نے گنوائے ہیں بتائیں کس کو
زخم جو سینہ پہ کھائے ہیں دکھائیں کس کو

٦٥

آئے پھر روتے ہوئے زینبِؑ ناشاد کے پاس
کہا جاتے ہیں وہاں ہم بھی جہاں ہیں عَبّاسؑ
تم تو امّاں کی جگہ ہو ، یہ ہمیں ہے احساس
سب گئے خلد میں اب کون رہا رتبہ شناس
پیاسے دنیا سے گئے لعل تمھارے زینبؑ
قاسمؑ و اکبرؑ و عبّاسؑ سدھارے زینبؑ

٦٦

سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی جو وہ دُکھیاری
منہ سے بولا نہ گیا ، ہو گئے آنسو جاری
چشمِ نمناک میں تاریک تھی دنیا ساری
دل وہ تڑپا کہ گری خاک پہ غم کی ماری
دارِ ہستی سے سفر کر نہ گئی ہو زینبؑ
شدتِ غم سے کہیں مر نہ گئی ہو زینبؑ

٦٧

دیکھا یہ حال جو زینبؑ کا تو گھبرائے حسینؑ
کس طرح ہوش میں ہمشیر کو اب لائے حسینؑ
ٹپکے بے ہوش پہ جو اشکِ تمنائے حسینؑ
کھول دیں آنکھیں، کہا اے مِرے ماں جائے حسینؑ
تم بھی جاتے ہو تو میں جی کے کروں کیا بھیّا
بس دعا مانگو کہ مَر جائے یہ دکھیا بھیّا

٦٨

اس طرح کوئی نہ دنیا میں بھرا گھر اجڑا
گودیں سب خالی تھیں سر پر کوئی سایا بھی نہ تھا
شہؑ کی رخصت کا سماں حشر کا منظر گویا
کس قدر یاس سے بھائی نے بہن سے یہ کہا
کام سب ہو گیا لو ختم ہمارا زینبؑ
اب خدا حافظ و ناصر ہے تمہارا زینبؑ

٦٩

بولیں زینبؑ کہ دیا کام یہ تم نے انجام
کربلا فتح ہوئی ، رہ گیا اب شام کا کام
چیز ہی کیا ہے مِرے سامنے یہ حاکمِ شام
نام دشنام نہ کردوں تو نہیں زینب نام
سیلِ طوفان و حوادث سے گزر جاؤں گی
حشر تک نام رہے ، کام وہ کر جاؤں گی